

# خلائی سائنس اور پھر کے زمانے کی سیاست

جان ایوری

ترجمہ: ارشد رازی

ڈینش گپتو گروپ اور ڈینش امن آئیڈی

## SPACE AGE SCIENCE

## STONE AGE POLITICS

John Avery



مشتعل

خلائی سائنس

اور

پھر کے زمانے کی سیاست

جان ایوری

ترجمہ: محمد ارشد رازی

The free electronic download of this book has  
been made possible by the generous  
financial assistance provided by:

**Mrs. Amina Khatoon  
Karachi**

مشعل بکس

آرپی ۵، سینٹر فور عوامی کالجس، عثمان بلاک، نو گارڈن ناؤن

لاهور - 54600، پاکستان

---

## ترتیب

صفہ	باب
5	تعارف
7	پیش لفظ
13	دنیا کیسی ہے، اور کسی ہو سکتی تھی؟ .1
21	قابلیت .2
39	تو میت؛ ایک باطل مذہب .3
58	مذہب: مسئلہ کا جزو یا حل .4
79	سائنس کی بدولت جنگ کی بیت میں آنے والی تبدیلی .5
91	نیوکلیاری ہتھیاروں کی دوڑ .6
113	جنگ کی قیمت .7
126	جنگ کا کاروبار .8
150	تعلیم برائے امن .9
167	عالیٰ حکومت .10

## تعارف

خبروں میں چھپنے والی خبروں کے بین السطور اگر پڑھا جائے تو ہمیں ایک ہولناک ملغوبہ سادھائی دیتا ہے۔ یہ ملغوبہ خلائی دور کی سائنس اور پتھر کے زمانے کی سیاست کا ہے۔ اس کتاب میں اس کٹکش اور اس بے چینی کا تجزیہ کیا گیا ہے جو سائنس اور سینکنالوجی میں نہایت تیزی کے ساتھ وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں اور اس کے برکش سیاسی اداروں کی ست رفتار تبدیلی کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہے۔

عمومی طور پر دیکھا جائے تو ہم قریب نوجمری دور کے اپنے آبا و اجداد جیسے ہی ہیں لیکن ہمارے ارد گرد کی دنیا نوجمری دور کی نہیں ہے۔ اس کی جگہ کوائم تھیوری، نظریہ اضافت، سپر کپیوٹر، اینٹی بائیکس، جینیک انجینئرنگ اور خلائی ذور بین کی دنیانے لے لی ہے۔ بدقتی سے اس میں ایسی ہتھیار اور اعصابی گیس بھی شامل ہو گئی ہے۔ جس تیزی کے ساتھ انسانی کلچر مسلسل تبدیل ہو رہا ہے اس کے مقابلے میں انسان کا جینیاتی ارتقا بہت ہی سست ہے۔ اسی لیے انسانی جسم اور انسانی جذبات اس نئے طرز حیات سے مطابقت نہیں پیدا کر پا رہے ہیں۔ انسانی جسم اور جذبات ابھی تک جانوروں کا شکار کرنے اور جگل سے اپنی غذا کٹھی کرنے والے اپنے اجداد کے طرز زندگی کی ہی عکاسی کرتے ہیں۔ چنانچہ بجلی کی سی تیزی سے تبدیل ہونے والی سائنس اور سینکنالوجی نے ہمارے بہت سے افکار اور ادارے فرسودہ اور ناکارہ بنا دیے ہیں۔

پرانی وضع کے جنگ و جدل پسند سیاست دانوں کا طرز عمل ایسا ہے جیسے وہ ابھی تک پتھر کے زمانے میں ہی زندگی گزار رہے ہیں۔ بدقتی یہ ہے کہ جب وہ ایک دوسرے کو

(اور ہمیں بھی) دھمکیاں دیتے ہیں تو وہ بھالے اور کلہاڑی سے لڑنے کی دھمکی نہیں دیتے بلکہ اب ان کے پاس تھرمو نیوکلیر ہتھیار ہیں۔ اب چونکہ نئے ہتھیار بے پناہ تحریکی طاقت رکھتے ہیں اور چونکہ آج کے زمانے کے گلوبل مواصلات آناؤ فانا ایک جگہ سے دوسرا جگہ پہنچ جاتے ہیں اس لیے جنگ کا ادارہ ایک نہایت ہی خطرناک تاریخی تضاد بن گیا ہے۔ بلکہ ایک مکمل خود مختار اور طاقت ورقوم بھی ایک تاریخی تضاد ہی بن گئی ہے۔

”خلائی سائنس اور پھر کے زمانے کی سیاست“ میں اس مسئلے پر غور کیا گیا ہے کہ اپنے سماجی اور سیاسی اداروں کو تیز رفتار سائنسی اور میکنالوجیکل کامیابوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے لیے ہمیں کیا اقدامات کرنا چاہئیں۔

## پیش لفظ

جدید سائنس کی بدولت انسان کو تاریخ میں پہلی بار بھوک، بخندک اور متعددی مرض کے مسلسل خطرے سے پاک آسائش کی زندگی گزارنے کا موقع ملا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سائنس نے ہی اسے پہلی بار موقع فراہم کیا ہے کہ وہ نیوکلیائی ہتھیاروں سے اپنی تہذیب کو معدوم کر دے یا کثرت آبادی اور آلودگی سے اس کرۂ زمین کو ناقابل رہائش بنادے۔ ہمارے اور ہماری آنے والی نسلوں کے لیے درست طرز عمل کا تعین زندگی اور موت کا سوال بن چکا

-۴-

کیا ہم جدید سائنس کی دریافتیں کو تغیری انداز میں استعمال کرتے ہوئے حیات کے استقرار کی راہ اختیار کریں گے یا اسی سائنس کی مدد سے اپنے ہتھیاروں کو مہلک سے مہلک کرتے جائیں گے اور جلد یا بذریعہ کسی ٹکنیکی یا انسانی غلطی کے ہاتھوں نیوکلیائی جنگ چھپر پیٹھیں گے۔ کیا ہم اپنے اس خوبصورت سیارے کو آبادی اور صنعت کے لامحدود پھیلاؤ سے تباہ کر دیں گے؟ موجود تباہلات میں سے کسی ایک کا فیصلہ ہم انسانوں کو خود کرنا ہے۔ آج

ہم تاریخ کے نہایت فیصلہ کن موز پر کھڑے ہیں اور یہ تہذیب کے لیے بحراں کا لمحہ ہے۔

اگر ہم جینیاتی ارتقا کے پیانہ وقت پر دیکھیں تو ہماری نوع نے جیران کن تیز رفتاری کے ساتھ تمدنی ارتقا کی منازل طے کی ہیں۔ انسانوں کو اس کرہ ارض پر رہتے کم و بیش دو ملین سال ہونے کو آئے۔ تقریباً یہ سارا دورانیہ ہمارے اجداد نے اپنی خواراک شکار اور پھل اکٹھا کرنے کے عمل سے حاصل کی۔ ان کی تعداد بھی کچھ زیادہ نہیں تھی اور وہ دیگر جانوروں کی طرح ہی زندگی بسر کرتا تھا۔

پھر اچانک پچھلے دس ہزار سال کے مختصر عرصے میں ہماری نوع کی تعداد پھٹ پڑی۔ اور چند ملین سے بڑھ کر چھ بیلین ہو گئی۔ کرہ ارض کے کم و بیش تمام حصوں میں آباد انسان چاند تک جا پہنچا ہے۔ جینیاتی اعتبار سے ہم لوگ اپنے انہی اجداد کی طرح ہیں جو 10 تا 40 ہزار سال کے دوران اس کرہ ارض پر موجود تھے۔ لیکن تمدنی انقلاب نے ہمارا طرزِ حیات ناقابلِ شناخت حد تک بدل دیا۔

نوجری دور میں آنے والے زرعی انقلاب اور پھر تحریر کی ایجاد کے بعد انسانی تمدن نے بے تماشہ رفتار کے ساتھ ترقی کی۔ اس گراف میں دکھایا گیا ہے کہ گذشتہ چار ہزار سال میں انسانی آبادی کس طرح بڑھی ہے۔ جب زراعت کی تکنیک پذریغہ پلچر نسل درسل خلخل ہوئی تو آبادی میں تیز تر اضافہ ہونے لگا جو شکار اور اشیائے خود رفتہ اکٹھا کرنے والوں کے ممکن نہیں تھا۔ پہنچ کی ایجاد اور اس کے اضافے میں ہونے والی سائنسی اور صنعتی ترقی نے بھی آبادی میں اضافے کو ہوا دی۔

اس گراف سے پتہ چلتا ہے کہ ہم نے تمدنی ارتقا میں بے پناہ کامیابی حاصل کی ہے لیکن حالیہ برسوں میں اسکا تقریباً عموداً ہو جانا بتاتا ہے کہ اس کا استحکام خطرے میں ہے۔

انسانی ثقافتی ارتقا کے ابتدائی مراحل میں تبدیلی کی شرح اتنی ست تھی کہ جینیاتی تغیر اس کا ساتھ دیتا رہا۔ کئی ملین سال تک گویاً اور ہتھیاروں کا استعمال انسانی دماغ کی جامت

کے ساتھ روبرو ترقی رہا۔ ست روی کے اس عہد میں تمدنی اور جینیاتی ارتقا میں توازن موجود تھا۔ تاہم جب انسان اپنی ثقافتی انفارمیشن کو بہتر طریقے سے ذخیرہ کرنے کے قابل ہوا تو جینیاتی ارتقا اس کا ساتھ نہ دے سکا۔ جینیاتی اعتبار سے ہم اپنے فوجی دور کے اجداد کی طرح ہیں لیکن تمدنی اعتبار سے کوئی نظر نہیں، اضافت، پرکمپیوٹر، اینٹی بائیوٹک اور جینیاتی انجینئرنگ تک جا پہنچے۔ ہماری آج کی دنیا بد قسمتی سے نیوکلیاری ہتھیاروں اور اعصاب شکن گیس کی دنیا بھی ہے۔ جینیاتی ارتقا اور ثقافتی تبدیلی کی رفتاروں میں موجود بے پناہ فرق کے سبب ہمارے ذہن اور جسم نے طرز زندگی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

ہمارے تمدن کے مختلف پہلوؤں میں بھی تبدیلی کی رفتار مختلف رہی ہے۔ سائنس اور ٹکنالوژی کی تبدیلی نہایت تیزی سے آئی جبکہ ہمارے سماجی ادارے اور ڈھانچے بہت ست رفتاری سے بدلتے۔ چنانچہ انفارمیشن پرمنی ہمارے آج کے معاشرے میں موجود عدم استحکام کی وجہ صرف یہی نہیں کہ ہمارا توارثی رویہ اس کا ساتھ نہیں دیتا بلکہ یہ بھی ہے کہ رویہ، قوانین اور اداروں کی ترقی سائنس اور ٹکنالوژی کے مقابلے میں بہت ست ہے۔

یوں ہماری سائنس خلافور دی کے عہد میں ہے جبکہ سیاست پھر کے زمانے کی۔ یہی حال رہا تو مستقبل میں سائنس اور ٹکنالوژی کے تغیری کی تیز رفتاری شدید تر اخلاقی تناقضوں اور سماجی تباہ کو جنم دے گی۔ ہماری بقا اسی میں ہے کہ ہم اخلاقیات اور سیاست کے اعتبار سے بلوغت کے لیے کوشش کریں۔

سائنس دو دھاری تکوار بن کر سامنے آئی ہے۔ اس نے ہمیں بہت سی سہولیتیں دی ہیں اور بہت سے خطرات سے دو چار کیا ہے۔ نیوکلیاری ہتھیاروں کے اس عہد میں پیچھے مڑ کر دیکھیں تو مسلسل چار ملین سالوں کا ارتقا ملتا ہے لیکن ہم کسی درجہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے سامنے بطور نوع اتنا لمبا مستقبل بھی موجود ہے۔

آبادی میں اضافے کی رفتار دکھانے والے گراف سے پتہ چلتا ہے کہ زمین بہت جلد

اپنی گنجائش کی آخری حدود کو پہنچنے والی ہے۔ کیا ہم اس خطرے کا مدارک کرنے کی سوجھیں گے یا بطور نوع معدوم ہونے کو ترجیح دیں گے۔ عالمی آبادی کے استحکام کے علاوہ انفارمیشن پر بنی انسانی معاشرے کو مستقبل کا ایک اور خطرہ بھی لاحق ہو گا۔ انسان کو جنگ کا ادارہ ختم کرنا ہو گا ورنہ مستقبل میں بننے والے تھیار تو ایک طرف اس کے موجودہ ذخائر ہی اسے ختم کرنے کے لیے کافی ہوں گے۔ انسان کی فطرت میں موجود قابلیت کا عصر جنگ کے ادارے کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔

انسان اپنے عزیز واقارب پر مہربان رہتا ہے اور اپنے خاندان، قبیلے اور وطن کے لیے قربانی کا جذبہ دکھاتا چلا آیا ہے۔ قبائلی وابستگی نے قبائل کے مابین دشمنی کو جنم دیا۔ فٹ بال ٹیموں میں سے کسی ایک کے ساتھ وابستگی بھی اسی قابلیت کی تسلیم ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آرٹر کوئسلر کو ایک پار کہنا پڑا، ”ہم ایک دور دراز سیارے کے گرد گردش کرتے خلائی جہاز کی حرکت کو کثروں کر سکتے ہیں لیکن شماں آرٹلینڈ کی صورتحال کو نہیں۔“ چین کے مصنف آریغا گیٹ نے اسی بات کو یوں کہا، ”ہم ایک ایسے عہد میں زندہ ہیں جب اشیا کا آقا انسان خود اپنا آقا نہیں ہے۔“

ارتقائی قوتوں نے کیوں کرتباں کے مابین جارحیت کو انسانی فطرت کا حصہ بنا دیا اور کس طرح ایک انسان میں اپنے قبیلے کے ساتھ وابستگی نے جنم لیا۔ اسی سوال کو یوں بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ میدان جنگ میں اپنے قبیلے کے لیے جان دینے کے عمل میں ہمارے اجداد نے اپنی جنینوں کی بقا کے امکانات میں کیوں کراضا نہ کیا؟ تمیں کے عشرے میں ماہر جینیات آرے فشر اور ارتقائی حیاتیات والی ہیلڈین نے اس موضوع پر کام کیا اور حالیہ برسوں میں ڈبلیوڈی ہمیٹن نے اس پر کام کیا ہے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچ کر کٹکش جینیاتی اعتبار سے متجانس گروہوں کے مابین تھی اور ارتقائی قوت اس پر بطور اکائی عمل کرتی تھی۔ اس طرح کے گروہوں کو آج ڈی ای ایم ای (Deme) کہا جاتا ہے۔

ہمیں اور فخر نے مفروضہ قائم کیا کہ ہمارے اجداد بہت چھوٹے قبائل میں بنتے تھے جو جینیاتی اعتبار سے متجانس ہوتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ شادی کے موقع گروہ کے اندر زیادہ تھے۔ جب کوئی فرد کسی دوسرے گروہ کے زیادہ سے زیادہ افراد کو قتل کرنے کے بعد مارا جاتا تھا تو اس عمل میں اس کے قبیلے کی جینیاتی بقا کے امکان بڑھ جاتے تھے جو اصل میں اس کی اپنی جینیاتی بقا تھی۔ یوں مرنے سے پہلے مخالف کے زیادہ سے زیادہ افراد مارنے کا روایہ وجود میں آیا اور یہ فرد قبیلے کا ہیرود کہلا یا۔ قبائل بجیشیت مجموعی مرتے یا جیتتے تھے۔ اور زیادہ گروہی وابستگی کے حامل قبائل کی بقا کا امکان بڑھ جاتا تھا۔

اس مفروضے کا اطلاق آج کی دنیا میں موجود نسلی گروہوں کے ماہین موجود تصادم کو سمجھنے کے لیے ہونا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ جنگ کے ادارے کا خاتمہ ممکن نہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ اس مقصد کے لیے دنیا بھر کے تقییی نظاموں، نہیوں اور ذراائع ابلاغ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ انسانی رویے پر حیاتیاتی توارث کے ساتھ ساتھ تمدنی اور سماجی تناظر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ آج ضروری ہے کہ ہم دنیا بھر میں بچوں کو تعلیم کے ذریعے گروہوں کی بجائے انسانیت کے ساتھ وابستگی کا درس دیں۔ ہمیں ایسے بین الاقوامی حکومتی اداروں کی ضرورت ہے جو ریاستوں کی بجائے افراد کو کنٹرول کریں۔ مسائل مشکل سہی لیکن اگر انفارمیشن پرمنی ہمارے معاشرے کو زندہ رہنا ہے تو یہ سب کرنا ہوگا۔ ہمیں نہ صرف عالمی آبادی کو مستحکم رکھنا ہوگا بلکہ جنگ کے ادارے کو بھی ختم کرنا ہوگا۔ ہمیں اپنے ان توارثی جذبوں کو لگام دینا ہوگی جو پھر چالیس ہزار سال سے غیر متغیر چلے آرہے ہیں۔ مزید براں سیاسی نظام کو بدلتے ہوئے مطلق خود مختار قومیت کی جگہ بین الاقوامی سیاسی نظام کے متعلق سوچنا ہوگا۔ انسانی ذہن نے ایٹم کے اندر جھانا کا ہے۔ اسے اپنے دل کے تضادات اور تنافضات کو بھی دور کرنا ہوگا۔

جنگ سے پاک منصانہ اور مستحکم دنیا کی تیزیر مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔ آج بھی

دینا کے کئی بڑے خطوں میں جگ ختم ہو چکی ہے اور وہ اس مقصد کے لیے نمونہ فراہم کر سکتے ہیں۔ ارجمندان، برازیل، ریاستہائے متحده، چین اور ہندوستان جیسے خطے تمام ترنسی، انسانی اور نہایتی تصور کے باوجود داخلی امن سے ہمکنار ہیں تو اس کوشش کا دائرہ کارکردہ ارض نک پھیلایا جاسکتا ہے۔

اقوام متحدة کا منشور، انسانی حقوق کا عالمگیر اعلامیہ اور ہمین الاقوامی فوجداری عدالتی دنیا کی طرف درست قدم ہیں۔ لیکن ان اداروں کو تقویت اور اصلاح کی ضرورت ہے۔ اس کتاب میں مطلوبہ اصلاحات کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے اور ماضی اور حال کی کامیاب فیڈریشنوں کی مثالوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ آج ہمیں نئی عالمی اخلاقیات کی ضرورت ہے تاکہ خاندان اور قوم کے ساتھ وفاداری کی تصعید کے ذریعے انسانیت کے ساتھ وفاداری کو فروغ دیا جائے۔ نوبل انعام یافتہ حیاتیاتی کیمیا دال سرنٹ گیارگی نے کہیں لکھا تھا:

”بیسویں صدی کے اوائل میں جدید سائنس کا ظہور ہوا تو انسان کی کہانی دو حصوں میں بٹ گئی۔ کہانی کے پہلے حصے میں انسان ایک ایسی کا باسی تھا جس میں یہ نوع پیدا ہوئی اور اس کے حواس ماحول کی مطابقت میں ڈھلنے۔ کہانی کے دوسرا حصے میں انسان ایک قطعی نئی اور کائناتی دنیا میں داخل ہوا جو اس کے لیے قطعی اجنبی تھی۔ اس کے ہاتھ لگنے والی نئی قوتیں ارضی نہیں تھیں بلکہ کائناتی تھیں۔ یہ قوتیں کائنات ساز ہیں اور انسانی ابعاد سے بالاتر۔ انسان چند سو فارن ہائیٹ کی ارضی آگ سے واقف چلا آرہا تھا کہ اس کا واسطہ ایسی تعاملات کی دس ملین درجے کی آگ سے پڑا جو سورج کو روشن رکھے ہوئے ہے۔“

”لیکن ابھی محض آغاز ہے اور دونوں طرف بے پناہ امکانات موجود ہیں۔ انسانی زندگی خوشحالی اور وقار کے بے مثال عہد سے بھی ہمکنار ہو سکتی ہے اور اچاک المناسک انجام سے بھی۔ انسان ایک ایسی کائناتی دنیا میں رہنے لگا ہے جس کے لیے وہ بنایا نہیں گیا تھا۔ اس کی بقا کا انحصار اس امر پر ہے کہ یہ تینی جلدی اور تینی اچھی طرح خود کو اس کے مطابق ڈھالتا

---

ہے۔ اس عمل میں انسان کو اپنے تمام خیالات اور سماجی اور سیاسی ادارے بدلنا ہوں گے۔“  
”..... جدید سائنس نے زمان اور فاصلوں کو اقوام کے درمیان حائل نہیں رہنے دیا۔  
ہماری آج کی اس سکڑی سکٹی دنیا میں صرف ایک گروپ زندہ رہ سکتا ہے یعنی انسان بطور ایک  
خاندان۔“

MashalBooks.Org

## دنیا کسی ہے، اور کسی ہو سکتی تھی؟

سفر کا آغاز کرنے سے پہلے منزل کا علم ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ہم سفر سے پہلے دیکھیں گے کہ ہمیں کس طرح کی دنیا درکار ہے۔  
 اپنے ذہن میں لائیں کہ آپ کیسی دنیا چاہتے ہیں۔ یہ دنیا ممکنات میں سے ہونی چاہیے۔ جو واقعی موجود ہو سکتی ہے ورنہ حاصل نہ ہو پائے گی۔ پھر اس کا مقابل آج کی دنیا سے کریں۔ ایک لمحے کے لیے بھول جائیں کہ آج کی دنیا کو آپ کے خیال کی دنیا میں کیسے بدل جاسکتا ہے۔  
 ابھی کچھ سال پہلے میں نے اپنے دوست کیلڈ ہلمر پیٹر سن (Keld Helmer) سے

(Petersen) کے ساتھ مل کر اس طرح کی ایک فہرست بنائی تھی۔ ہماری فہرست یوں ہے:  
(اپنی آپ خود بنائیں)

-1 آج کی دنیا میں ہتھیاروں پر سالانہ کوئی ایک ٹریلین امریکی ڈالر خرچ کئے جائے ہیں۔ ممکنہ دنیا میں ہتھیاروں پر ضائع ہونے والی رقم قحط، بھوک، جہالت اور بیماری سے بچنے کے لیے خرچ ہوگی۔

-2 آج کی دنیا میں ہر انتالیس سال کے بعد آبادی دو گنا ہو جاتی ہے۔ آبادی میں یہ اضافہ زیادہ تر ترقی پذیر ممالک میں ہوتا ہے اور ان میں سے کئی ایک کی آبادی چھپیں سال سے بھی کم عرصے میں دو گنا ہو جاتی ہے۔ قحط اب بھی موجود ہے اور مستقبل میں چھپیے گا اور شدید تر ہو جائے گا۔ ہمارے خیال کی دنیا میں آبادی کو ایک ایسی سطح پر ٹھہرایا جا سکتا ہے کہ خوراک اور توانائی کے عالمی وسائل سے بخوبی استفادہ کیا جاسکے۔ ہر ملک اپنی آبادی کے ٹھہراؤ کا خود ذمہ دار ہوگا اور کسی ملک کو اجازت نہیں ہوگی کہ وہ اپنے شہریوں کی بڑی تعداد کو باہر بھجوا کر دوسروں کے لیے مسائل کھڑے کریں۔

-3 آج کی دنیا میں ہتھیاروں کے ذخیرات نے زیادہ ہیں کہ زمین پر موجود ہر نفر کوئی بار بلاک کرنے کو کافی ہیں۔ نیوکلیائی ہتھیار بنا پکے ہیں یا بہت جلد بنائیں گے۔ حتیٰ کہ دہشت گرد گروپ اور منظم جرام پیشہ لوگوں کے استعمال کا اندریشہ روز بروز بڑھ رہا ہے۔ ہمارے خیال کی دنیا میں ریاستوں کو نیوکلیائی ہتھیار بنانے اور رکھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

یہی اصول بڑے پیمانے پر جاتی ہیں پھیلانے والے ہتھیاروں پر بھی لا گو ہو گا۔

-4 آج کی دنیا میں 40 فیصد تحقیقی فنڈ اسٹری سازی کے منصوبوں کے لیے مخصوص ہے۔ ہمارے خیال کی دنیا میں سائنس اور انجینئرنگ میں ہونے والی تحقیقی انسانیت کو در پیش فوری مسائل کے حل کے لیے ہوگی۔ بیماریوں کے علاج کے بہتر طریقے وضع ہوں گے، توانائی کے نئے مأخذ دریافت ہوں گے اور زراعت کے نئے طریقے سوچے جائیں گے۔ یونیکسکو پھلے پھولے گی اور فوجی اداروں کی جگہ سائنس اور انجینئرنگ کی سر پرستی کرے گی۔

-5 آج کی دنیا میں بڑے پیمانے پر انسانی حقوق کی خلاف ورزی عام ہے۔ نسل

کشی، تشرد، اذیت وہی اور مقدمہ چلائے بغیر بزا، سب اس میں شامل ہیں۔ ہمارے خیال کی دنیا میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی سے افراد کو بچانے کے لیے کہیں زیادہ اختیارات ہوں گے۔

-6- آج کی دنیا میں صنعتی ممالک سے تیری دنیا کو سالانہ کوئی سترہ بلین ڈال کے ہتھیار برآمد ہوتے ہیں۔ یوں کم ترقی یافتہ ممالک میں تصادم اور اختلاف زیادہ خطرناک ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اپنے قلیل فنڈ فوری ضروریات پر خرچ نہیں کر سکتے۔ ہمارے خیال کی دنیا میں ہتھیاروں کی بین الاقوامی تجارت کو قابل نفاذ قوانین میں محدود رکھا جائے گا۔

-7- آج کی دنیا میں سالانہ دس ملین بچے فاتحہ اور غذا کی تفت سے پیدا ہونے والی بیماریوں کے سبب مر جاتے ہیں۔ ہمارے خیال کی دنیا میں بین الاقوامی برادری موجودہ سے کہیں بڑے پیمانے پر زرعی ترقی کے پروگراموں کے لیے معاونت فراہم کرے گی۔

-8- آج کی دنیا میں سالانہ چھ ملین بچے غیر محفوظ پانی پینے سے پھیلنے والی پیٹ کی بیماریوں کے ہاتھوں مر جاتے ہیں۔ ہمارے خیال کی دنیا میں مناسب حفاظان صحت اور پیٹ کے قابل پانی کی فراہمی کے انتظام کو ترجیح دی جائے گی اور ان مقاصد کے لیے دنیا کے ہر حصے میں فراواں بین الاقوامی فنڈ مہیا ہوں گے۔

-9- آج کی دنیا میں ملیریا، تپ دق، ایڈز، ہیضہ، نائیفیکڈ، نائفس، ٹراؤما اور ایسی ہی دیگر بیماریوں سے سالانہ ملینوں لوگ مر جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک اندازہ ہے کہ اس وقت کوئی دو سو ملین لوگ (Schistosomiasis) میں بیٹلا ہیں اور پانچ سو ملین ٹراؤما میں؛ جو اکثر اندر ہے پن میں بدل جاتی ہے۔ صرف افریقہ میں سالانہ ایک ملین بچے ملیریا سے مرتے ہیں۔ ہمارے خیال کی دنیا میں ان قابل علاج بیماریوں پر بین الاقوامی کوششوں سے قابو پایا جائے گا۔ اس منصوبے کے لیے درلٹہ ہیلٹھ آر گنائزیشن کو مناسب فنڈ دیئے جائیں گے۔

-10- آج کی دنیا میں کچیں ترقی پذیر ترین ممالک میں ناخواندگی اسی فیصلہ ہے۔ اندازہ ہے کہ دنیا میں ناخواندہ افراد کی کل تعداد 800 ملین ہے۔ ہمارے خیال کی دنیا میں بین

---

الاقوامی برادری دنیا کے تمام بچوں کو کم از کم ابتدائی تعلیم دینے کا عزم کر لے گی۔ ایسے والدین کے خلاف قانون بنیں گے جو اپنے کم عمر بچوں کو آمدن کا ذریعہ بناتے ہیں۔ یوں آبادی میں اضافے کے ایک محرك کا خاتمه ہو گا۔ چند سال بعد ہی تعلیم پر کی ہوئی سرمایہ کاری منافع دینے لگے گی۔

11- آج کی دنیا میں یہیں الاقوامی قانون کے نفاذ کا کوئی نظام موجود نہیں۔ اگرچہ انٹرنیشنل کریمٹ کوڈ کا قیام اپنی جگہ درست قدم ہے۔ ہمارے خیال کی دنیا میں اقوام متحده کی جزوں ایسیلی کے پاس قانون سازی کا اختیار موجود ہو گا۔ دنیا کے تمام شہری ان قوانین کے پابند ہوں گے اور اقوام متحده ان کے نفاذ کے لیے خلاف ورزی کرنے والوں کو خواہ وہ سربراہان ریاست ہی کیوں نہ ہوں گرفتار کر لے گا یا جرمانہ سنائے گا۔ تاہم اقوام متحده کے قوانین کو یہیں الاقوامی معاملات تک محدود رکھا جائے گا۔ ہر قوم اندر وہی معاملات اپنے قوانین کے مطابق چلائے گی۔

12- آج کی دنیا میں ہر قوم خود کو ”خود مختار“ سمجھتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہر ملک سمجھتا ہے کہ وہ عالمی برادری کی فلاح کا خیال کئے بغیر جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہیں الاقوامی سطح پر طوائف الملوکی موجود ہے۔ ہمارے خیال کی دنیا میں قوی خود مختاری کا تصور عالمی برادری کی ضروریات کے مطابق محدود کر دیا جائے گا۔ ہر قوم زیادہ تر معاملات کا فیصلہ اپنی حدود کے اندر خود کرے گی لیکن یہیں الاقوامی معاملات میں اسے اپنی کچھ خود مختاری سے دستبردار ہونا پڑے گا۔

13- آج کی دنیا میں اقوام متحده کی جزوں ایسیلی کے اندر ایک قوم ایک دوست کا اصول رائج ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مناک، لکھنئیں، مالتا اور انڈورا کے دوست کی طاقت بھی وہی ہے جو چین، انڈیا، ریاستہائے متحدة اور روس کے دوست کی ہے۔ اسی وجہ سے اقوام متحده کی قردادوں اکثر نظر انداز کر دی جاتی ہیں۔ ہمارے خیال کی دنیا میں جزوں ایسیلی کے دو نئے سسٹم کی اصلاح کی جائے گی۔ ایک ممکنہ منصوبہ یہ ہو سکتا ہے کہ حتیٰ دوست ممالک کی بجائے مختلف بلاک ڈائلیں اور ہر بلاک کو ایک دوست دیا جائے۔ مثال کے طور پر نو بلاک ہو سکتے ہیں۔ (1) لاطینی امریکی بلاک (2) افریقی بلاک (3) شمالی بلاک (4) یورپی بلاک (5) روی اور وسط ایشیائی بلاک (6) چینی بلاک